شاہ ولی اللہ کے حالات

شاہ عبدالعزیز کی زبانی

حکیم محمود احمد برکاتی

شاہ ولی اللہ دہلوی کی ایک جامع و مبسوط سوانح حیات محققانہ اور جدید اسلوب پر ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ "حیاتِ ولی" کے اولیں مآخذ تو خود شاہ صاحب ہی کی تحریریں ہوں گی۔ "انفاس العارفین"، "فیوض الحرمین"، "الدر الثمین" اور "الانتباہ فی سلاسلِ اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ" میں بہت سا مواد مل جائے گا۔ "الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" کے نام سے تو ایک رسالہ ہی شاہ صاحب نے اپنے احوال و سوانح کے طور پر تحریر فرمایا تھا۔ اس کے بعد سب سے زیادہ اہمیت "القول الجلی فی مناقب الولی" کی ہے جو شاہ صاحب کی حیات ہی میں ان کے نسبتی بھائی، دوست ہم درس، شاگرد اور خلیفہ شاہ محمد عاشق پھلتی نے تحریر فرمایا تھا۔ خود شاہ صاحب نے "الجزء اللطیف" میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ (مطبع احمدی، دہلی، ص ۱۹۴) یہ رسالہ انیسویں صدی کے اواخر تک تو دستیاب تھا، نواب صدیق حسن خان اور مولوی رحمان علی نے اپنی کتابوں میں اس سے اقتباس و استفادہ کیا تھا۔ مگر اب عرصے سے نایاب ہے۔ "حیاتِ ولی" کے مؤلف مولوی رحیم بخش دہلوی کو بھی نہیں ملا تھا۔ (حیاتِ ولی، طبع

لاہور۔ ص ۳۹۳) یہ رسالہ اگر کہیں سے دریافت کرلیا جائے تو ایک معتبر و معتمد اور نسبتاً بسیط تذکرہ ہوگا۔ شاہ محمد عاشق ہی کی ایک تحریر "المنیر الکشیر" (مطبع ڈابھیل) کے آغاز میں ہے وہ بھی مفید و بکار آمد ہے۔

اس کے بعد میرے خیال میں بڑی اہمیت شاہ عبدالعزیز کے ان اقوال و بیانات کی ہے جو اُن کے ملفوظات میں پائے جاتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کے آخری چند سالوں کے ملفوظات ان کے ایک حاضرباش مسترشد[1] نے ۱۲۳۳ھ میں مرتب کیے تھے اور ایک ارادت کیش قاضی بشیرالدین میرٹھی نے ۱۳۱۴ھ میں پہلی بار مطبع مجتبائی (میرٹھ) سے شائع کیے تھے۔

جامع کا نام معلوم نہ ہونے کے باوجود ہماری رائے میں ان ملفوظات کی نسبت شاہ صاحب کی طرف بالعموم صحیح ہے کیونکہ اولاً تو مطبوعہ نسخے کے علاوہ ایک قریب العہد مخطوطہ بھی پیش نظر ہے اور ہم نے دونوں کا زیادہ تر مقامات سے مقابلہ کرلیا ہے۔ ثانیاً ملفوظات کے اکثر مشتملات کی دوسرے مآخذ سے بھی تصدیق و تصویب ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے حواشی میں حسب ضرورت اس کی صراحت کردی ہے

مؤلف کی دیانت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جب بھی کسی ملفوظ کو بروقت قلم بند نہیں کرسکے ہیں انہوں نے اس کا اظہار کردیا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر نصف ملفوظ نقل کرکے بقیہ نصف نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

---

[1] افسوس ہے کہ مسترشد کے نام کا پتہ نہیں چلتا۔ ناشر کا بیان ہے کہ نسخے کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے جامع ملفوظات کا نام پڑھا نہ جا سکا۔ مگر ہمارے سامنے ملفوظات کا ایک اور مخطوطہ بھی ہے اس میں بھی نہ جامع کا نام ہے نہ کاتب کا۔ البتہ سن کتابت ۱۲۵۰ھ درج ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نسخہ شاہ عبدالعزیز رح کے وصال (۱۲۳۹ھ) کے صرف گیارہ سال بعد کا مکتوبہ ہے۔ یہ نسخہ مولانا سید نذر علی درد کاکوروی (مقیم کراچی) کی ملک ہے۔

"ازین جا این قصّہ بعد سہ ماہ بموجب یادِ خود کہ باعتماد آن سفیدی گذاشتہ بودم، نوشتہ ام۔ (ص ۱۰۸)

یہاں سے اس قصّے کو تین ماہ کے بعد لکھتا ہوں اپنے حافظہ کے بھروسے پر۔ میں نے یہاں جگہ چھوڑ دی تھی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ وہ ہر ملفوظ کو بروقت لکھ لیا کرتے تھے۔

ایک مقام پر شاہ صاحب کی ایک تاریخی تحقیق کا صرف خلاصہ نقل کیا ہے:

این وقت بسبب ضیق فرصت تکلم نمی آید مگر یاد است۔ انشاء اللہ العزیز بشرط فرصت و یاد خواہم نگاشت۔ (ص ۹۷)

اس وقت فرصت نہ ہونے کی وجہ سے پوری گفتگو نہیں لکھ رہا ہوں مگر گفتگو یاد ہے۔ اللہ نے چاہا تو بشرط فرصت و یاد لکھ دوں گا[1]

اس سے بھی اس قیاس کو تقویت ہوتی ہے کہ جامع دن کے دن ہر بات لکھ لینے کا اہتمام کرتے تھے۔

یہ ضرور ہے کہ ملفوظات کے اندازِ بیان سے جامع کے صاحب علم ہونے کا اظہار نہیں ہوتا۔ اندازِ بیان علمی و ادبی نہیں ہے۔ زبان (فارسی) مقامی اور غیر معیاری تو ہے ہی مگر اغلاط سے بھی خالی نہیں ہے۔

علمی ذوق کے فقدان ہی کے نتیجہ میں زیادہ تر اشعار، لطیفے اور قصص و حکایات نقل کیے ہیں۔ علمی موضوعات پر جن تقاریر کو نگاہیں ڈھونڈتی ہیں وہ نہیں ملتیں۔ حالانکہ شاہ صاحب کی مجلس میں زیادہ دینی و علمی موضوعات معرض کلام میں آتے ہوں گے اور شاہ صاحب ان پر داد تحقیق دیتے ہوں گے۔ جامع کو اگر علمی ذوق ہوتا تو وہ ان تقریروں کو محفوظ کر لیتے اور آج ہمارے لئے یہ سرمایہ منفعت بخش ہوتا۔

بعض ملفوظات کی صحتِ نسبت کو تسلیم کرنے کی اجازت ہماری عقیدت کسی طرح

---

[1] مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں یاد نہیں رھا یا فرصت نہیں ملی کیونکہ بعد میں بھی یہ اصل ملفوظ کتاب میں نہیں ملتا۔

نہیں دیتی۔ مثلاً صفحہ ۶۲ کا مکالمہ اور صفحہ ۶۶ کا شعر اور صفحہ ۵۵ کی حکایت۔ شاہ صاحب کے وقار و ثقاہت اور ان کی بزم کے تقدس و شائستگی سے اس قسم کے فحش لطائف اور عامیانہ اشعار کا کوئی میل نہیں ملتا۔

بہرحال شاہ ولی اللہ رح کی سوانح کیلئے یہ کتاب ایک اہم ماخذ ہے۔ کتاب میں جہاں جہاں شاہ ولی اللہ کا ذکر ہے ہم نے اسے ایک ترتیب سے جمع کر لیا ہے۔

تاریخ ولادت و وفات: تاریخ تولد[1] شاہ ولی اللہ چہارم شوال وچہار شنبہ ۱۱۱۴ھ بود۔ "تاریخ وفات" او بود امام اعظم دین" دیگر" ہائے ولی روزگار رفت" بست نہم محرم وقت ظہر۔ (ص ۳۰)

شاہ صاحب کی تاریخ ولادت چہار شنبہ ۴، شوال ۱۱۱۴ھ ہے اور تاریخ وفات " او بود امام اعظم دین " اور " ہائے ولی روزگار رفت " سے نکلتی ہے۔ وقتِ ظہر ۲۹ محرم (۱۱۷۶)

شاہ صاحب کا حافظہ: مثل والد ماجد حافظہ ندیدہ ام (ص ۱۱)

والد ماجد کی طرح میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا۔

شاہ صاحب راجپوتانے میں: ہنگام سفر مکہ معظمہ حضرت والد ماجد را در ملک راجپوتانہ ثبوت پیوست کہ یک کھٹمل مثل کچھوۂ خورد بود از جہت زہر رنگ سبز بنظر می آید ہر کہ نیش می زد می مرد۔ (ص ۴۳)

مکہ معظمہ کے سفر کے دوران والد ماجد کو راجپوتانے میں اس بات کی تحقیق ہوئی کہ ایک کھٹمل چھوٹے کچھوے کے برابر ہوتا ہے، زہریلا ہونے کی وجہ سے وہ ہرا نظر آتا ہے اور جس کسی کو ڈنک مار دیتا ہے وہ مرجاتا ہے۔

سیدنا حسن رض کا قلم: چون والد ماجد بمکہ معظمہ رسید حضرت امام حسن را بخواب دید کہ چادرے بر سر انداختند و

جب والد ماجد مکہ پہنچے تو حضرت امام حسن رض کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے (شاہ صاحب کے) سر پر ایک چادر

---

[1] ملاحظہ ہو "الجزء اللطیف" مطبع احمدی، دھلی، ص ۱۹۳۔

قلم عنایت کردند و فرمودند این قلم جدّ من است۔ بعد ازان فرمودند باش کہ امام حسین ہم بیاید۔ چون آمدند قلم تراشیدہ بدست والد ماجد دادند۔ در آن وقت حال نسبت علم و تقریر دگرگون شد۔ چنانچہ مستفیضانِ سابق ہرگز احساس نسبتِ سابق نمی کردند [1]

(ص ۸۲ ، ۸۳)

ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا یہ میرے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قلم ہے۔ اس کے بعد فرمایا ٹھہرو ؛ امام حسین رضہ تشریف لا رہے ہیں۔ جب وہ تشریف لائے تو انہوں نے قلم کو تراش کر والدِ ماجد کے ہاتھ میں دیا، اُسی وقت سے نسبت باطن، علم اور تقریر کا رنگ اتنا بدل گیا کہ جن لوگوں نے پہلے استفادہ کیا تھا وہ سابقہ نسبت کا احساس تک نہیں کرتے تھے۔

جو پڑھا لکھا تھا ....:

پدرِ من وقت رخصت از مدینہ از استاذ

میرے والد صاحب نے مدینۂ منورہ سے رخصت ہوتے وقت اپنے استاذ

---

[1] فیوض الحرمین مطبع احمدی، دھلی، ص ۲۱ :

"میں نے ۔ اصفر ۱۱۴۴ھ کی رات میں خواب دیکھا کہ گویا حسن وحسین رضی اللہ عنہما میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت امام حسن کے ہاتھ میں ایک قلم ہے جس کی نوک ٹوٹ گئی ہے۔ آپ نے مجھے بخشنے کیلئے ہاتھ بڑھایا اور فرمایا یہ ہمارے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلم ہے۔ پھر فرمایا ٹھہرو تاکہ حسین رضہ اسے ٹھیک کر دیں، یہ قلم ویسا نہیں ہے جیسا حسین نے اسے بنایا تھا پھر حسین رضہ نے لیا اور بنا دیا اور مجھے عنایت فرمایا جس سے میں خوش ہوا۔ اور ایک چادر جس پر ایک سفید دھاری تھی اور ایک سبز ان دونوں کے سامنے لاکر رکھی گئی حضرت حسین رضہ نے وہ چادر اٹھائی اور فرمایا یہ میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے اور مجھے اڑھا دی۔ میں نے اسے سر پر رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا۔" (ترجمہ)

خود عرض کرد و اُو خوش شد کہ ہرچہ خواندہ بودم فراموش کردم الّا علم دین یعنی حدیث[1] (ص ۱۹۲)	سے عرض کیا جس سے وہ خوش ہوئے کہ میں نے جو کچھ پڑھا لکھا تھا، علم دین یعنی حدیث کے علاوہ سب بھلا دیا۔
سندِ حدیث : چہاردہ[2] ماہ درحرمین بودہ وسند کردہ۔ بعض جا استاد می فرمود معنی این حدیث تو بفرما ودرسند اجازت نوشتہ، سند از من کرد اگرچہ بہ از من است۔ (ص ۹۳)	والد ماجد چودہ مہینے حرمین میں رہے اور سند حاصل کی۔ بعض مقام پر استاد فرماتے تھے اس حدیث کے معنی تم بیان کرو اور سند میں لکھا کہ انہوں نے مجھ سے سند حاصل کی ہے اگرچہ یہ مجھ سے بہتر ہیں۔

---

[1] "انسان العین فی مشائخ الحرمین" مطبع احمدی دہلی، ص ۱۹۲:

این فقیر برائے وداع نزدیک شیخ ابوطاہر رفت این بیت برخواند ــــ

نَسِیْتُ کُلَّ طَرِیْقٍ کُنْتُ اَعْرِفُہٗ ۔۔۔ اِلَّا طَرِیْقًا یُّوَدِّیْنِیْ اِلٰی رَبْعِکُم

(ترجمہ: میں اب تک جتنے بھی راستوں سے واقف تھا انہیں بُھلا چکا ہوں صرف وہ راستہ یاد ہے جو تمہارے تک مجھے پہنچاتا ہے۔)

بمجرد شنیدن آن بکا بر شیخ غالب آمد و بغایت متاثر شد"

شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم بن حسن کُردی مدنی (۱۰۸۱ - ۱۱۴۵ھ) شاہ صاحب نے مدینہ منورہ میں زیادہ تر استفادہ اور استفاضہ انہی سے کیا تھا۔ "انسان العین" میں شاہ صاحب نے ان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

[2] شاہ صاحب ۸ ربیع الثانی ۱۱۴۳ھ کو دہلی سے روانہ ہوئے تھے (سید احمد ولی اللہ تاریخ الاحادیث" ص ۸۷) اور ۹ رجب ۱۱۴۵ھ کو واپس دہلی پہنچے (الجزء اللطیف ص ۱۹۳) اس طرح کل اٹھائیس مہینے سفر میں گذرے۔ ان میں سے تقریبًا سات سات مہینے آمد ورفت میں گذرے اور چودہ مہینے حرمین میں حاضری رہی۔

تقسیم کار : حضرت والدِ ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند۔ طالب ہر فن باوے می سپروند و خود مشغول معارف نویسی و گوئی می بودند و حدیث می خواندند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسید می نگاشتند۔ مریض ہم کم می شدند۔ عمر شریف شصت و یک سال و چہار ماہ شد۔

حضرت والد ماجد نے ہر فن کیلئے ایک شخص (شاگرد) تیار کر دیا تھا اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے فاضل کے سپرد کر دیتے تھے اور حقائق و معارف بیان کرنے اور تحریر کرنے میں مشغول رہتے تھے حدیث پڑھتے تھے اور مراقبہ کے بعد جو کچھ کشف کے ذریعہ معلوم ہوتا تھا لکھ لیتے تھے۔ بیمار بھی کم ہوتے تھے۔ آپ کی عمر اکسٹھ سال چار ماہ ہوئی۔

(ص ۴۰)

ضبطِ اوقات : مثل والدِ ماجد شخصے کم بنظر آمد سوائے علوم و کمالات دیگر در ضبط اوقات۔ چنانچہ بعد اشراق کہ می نشست تا دوپہر زانو بدل نمی کرد و خارش نمی نمود و آب دہن نمی انداخت (ص ۴۳)

دیگر علوم و کمالات کے علاوہ ضبطِ اوقات میں بھی والدِ ماجد کی طرح کم ہی کوئی آدمی نظر آیا۔ اشراق کے بعد جو بیٹھتے تھے تو پہلو بھی نہیں بدلتے تھے، نہ کھجاتے تھے نہ تھوکتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز کی ولادت : بندہ را عورات "مسیتا"[1] می گفتند وجہش آن کہ در شب بست و پنجم رمضان وقت سحر تولد شدہ بودم۔ چون والدین را کودک[2] بسیار مردہ بودند مگر برائے من آرزوئے کمال بود۔ در آن ہنگام بزرگان

بندہ (شاہ عبدالعزیز) کو عورتیں "مسیتا" کہتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ۲۵، رمضان کی شب میں پچھلے پہر پیدا ہوا ہوں۔ چونکہ والدین کے بچے بچتے نہیں تھے اس لئے میری بڑی آرزو تھی (میری ولادت کے وقت) بہت سے بزرگ

---

[1] مسیتا یعنی مسجد والا۔ مسجد کا عوامی تلفظ مسیت ہے۔ اسی کی نسبت مسیتا ہے۔

[2] یہ شاہ ولی اللہ کی زوجۂ اولیٰ کی اولاد کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب کا عقدِ ثانی ۱۱۵۷ھ میں ہوا اور دو سال بعد ۱۱۵۹ھ میں شاہ عبدالعزیز تولد ہوئے۔

بسیار واولیاء بسیار ازیاران والد ماجد
مثل شاہ محمد عاشق و مولوی نور محمد [1]
وغیرہ معتکف مسجد خدا می بودند۔ پس
مارا غسل دادہ در محراب [2] انداختند
گویا نذر خدا کردند۔ پس بزرگان ما
را قبول کردہ از خدا انعام کردند۔
(ص ۱۰۹)

شفقتِ پدری : والد ماجد بے
بندہ طعام نمی خوردند۔ (ص ۳)

چشتیت : در ابتداء والد ماجد
ہم ہموں (نسبت چشتیت) غالب بود۔
بعد ازاں انقلاب شد (ص ۸۲)

گمانِ تشیع :
شخصے از والد ماجد مسئلہ تکفیر
شیعی پرسید۔ آں حضرت اختلاف
حنفیہ دریں باب کہ ہست بیان
کردند۔ چوں مکرر پرسید ہماں شنید
شنیدم کہ می گفت کہ ایں شیعی

اور خدا رسیدہ حضرات مثلاً شاہ محمد عاشق
اور مولوی نور محمد وغیرہ اسی مسجد میں
معتکف تھے۔ (ولادت کے بعد) مجھے غسل
دے کر مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا
گویا خدا کی نذر کر دیا گیا۔ پھر اُن
بزرگوں نے مجھے قبول کرکے خدا کی طرف
سے انعام (مثل واپس) عطا کیا۔

والد ماجد میرے بغیر کھانا نہیں
کھاتے تھے۔

ابتدا میں (جدِ امجد کی طرح) والدِ
ماجد پر بھی نسبتِ چشتیت غالب تھی۔
بعد میں انقلاب ہوا۔

ایک شخص (متعصب روہیلہ) نے
والدِ ماجد سے شیعی کے کفر کے متعلق سوال
کیا۔ آپ نے (اس کی مرضی کے خلاف)
اس باب میں احناف کا اختلاف بیان
کیا (یعنی اس فرقے کے کفر پر اتفاق آراء
نہیں ہے) اس نے دوبارہ دریافت کیا

---

[1] غالباً یہ نام نور محمد نہیں نور اللہ ہے۔ مولوی نور اللہ بڈھانوی شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد اور شاہ عبد العزیز کے خسر تھے۔ ۱۱۸۷ھ میں وصال فرمایا۔

[2] اولاد کے شوق اور محبت میں کیسے کیسے بزرگ بھی کمزوریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اولاد کو قرآن نے "فتنہ" جو کہا ہے۔ !

است۔

(ص ۳۲)

شیعیوں سے قرابت : بعضے[1] از اقربار قریبۂ ما شیعۂ غالی اند (ص ۳۷)

کرامت : در وقت طفلی بیمار بودم۔ حکیمے تداوی می کرد۔ بہ شدم۔ والدِ ماجد آں را حکم فرمودند کہ مارا خوش ساختی۔ بگو در حق تو دعائے کنم۔ ہر چند خلاف وضع شریف بود لیکن فرمودند۔ عرض کرد کہ نوکر شوم۔ در ہموں ہنگام بلکہ شب صد روپیہ را مع سواری تعیناتی نوکر شد۔ چوں آمدہ عرض کرد۔ آں حضرت از زبان مبارک فرمود: ہمتِ شما قاصر بود کہ بر دنیا آں ہم حقیر اکتفا کردید۔

(ص ۴۳-۴۴)

طب : حکمت ہم در خاندانِ ما ہم معمول

اور یہی جواب پایا تو میں نے سُنا کہ کہنے لگا کہ یہ (خود) شیعی ہیں۔

ہمارے بعض قریبی اعزہ غالی شیعی ہیں۔

میں لڑکپن میں بیمار تھا۔ ایک حکیم صاحب نے علاج کیا میں صحتیاب ہوگیا والدِ ماجد نے اپنی عادت کے برخلاف اس سے کہا آپ نے میرا دل خوش کر دیا۔ بتائیے آپ کے حق میں کیا دعا کروں؟ حکیم صاحب نے کہا (یہ دعا کیجئے کہ) میں نوکر ہو جاؤں۔ اس زمانے میں بلکہ اُسی رات سو روپیہ تنخواہ (مع سواری) پر نوکر ہوگئے۔ جب حکیم صاحب نے آکر بتایا تو حضرت نے زبان مبارک سے فرمایا آپ کا حوصلہ ہی پست تھا کہ دنیا اور وہ بھی اس کے حقیر حصے پر کفایت کی۔

ہمارے خاندان میں طب کا بھی مشغلہ تھا

---

[1] یہ اشارہ غالباً میر قمر الدین منت کی طرف ہے۔ یہ نہ صرف شاہ صاحب کے عزیز بلکہ شاگرد بھی تھے۔ شاہ صاحب نے "عجالۂ نافعہ" نامی رسالہ انہی کیلئے لکھا تھا لیکن مولانا فخرالدین دہلوی سے ارادت اور اودھ کے امرار کے روابط کے نتیجے میں اثنا عشری ہوگئے تھے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "فضائل صحابہؓ و اہل بیت" پاک اکیڈمی، کراچی، مقدمہ پروفیسر محمد ایوب قادری ایم۔ اے۔ (ص ۶۴)

بود۔ چنانچہ جدّ[۱] بزرگوار و عمّ[۲] فقیر دوا می کردند۔ والدِ ماجد و بندہ موقوف ساختہ۔ (ص ۲۲)

ہر چند کہ والد ماجد ما را بنا بر دوا وطبابت بحسب مصلحت دیگر منع فرمودہ بودند۔ لیکن خوب چیز است بلکہ گویا جان بخشی ست (ص ۴۳)

وصیّت نامہ[۳]: ارشاد شد کہ وصیت نامۂ والدِ ماجد نقل کردہ بگیرند۔ بسیار نافع ست۔ (ص ۷۵)

مسلکِ فقہی: درین مقدمہ اختیار

چنانچہ جدِ بزرگوار (شاہ عبدالرحیم) اور میرے چچا (شاہ اہل اللہ) مطب کیا کرتے تھے۔ والدِ ماجد اور میں نے یہ سلسلہ موقوف کیا۔

اگرچہ والدِ ماجد نے کسی مصلحت سے علاج اور طب کرنے سے ہمیں منع کر دیا تھا لیکن (یہ طب) ہے خوب چیز۔ بلکہ (بعض حالات میں تو) گویا جان بخشی ہے۔

فرمایا: والدِ ماجد کا رسالہ "وصیّت نامہ" نقل کرکے رکھیں، بہت مفید چیز ہے۔

اس (تقلید کے) مسئلہ میں والدِ بزرگوار

---

[۱] شاہ ولی اللہ "بوارق الولایۃ" مطبع احمدی، دہلی، ص ۸۴: "در طب حدس ایشان بغایت سلیم و رسا بود"

[۲] شاہ اہل اللہ دہلوی علوم دینیہ کے فاضل اور صاحبِ تصانیف ہونے کے علاوہ باقاعدہ مطب بھی کرتے تھے۔ "تکملۂ ہندی" اور "تکملۂ یونانی" دو رسالے بھی طب میں تالیف کیے تھے۔ زندگی کا بڑا حصّہ اپنے ننھیال (پھلت ضلع مظفر گڑھ یو۔پی، بھارت) میں بسر کیا۔ وہیں مزار بھی ہے۔ وفات ۱۱۸۷ھ

[۳] اصل نام "المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ" ہے۔ فارسی میں ایک مختصر سا رسالہ ہے پہلے ہوگلی سے عبداللہ بن بہادر علی نے پھر مولوی سعید احمد نے مطبع احمدی (دہلی) سے اور اب (۱۹۶۴ء) شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد نے شائع کیا ہے اور پروفیسر محمد ایوب قادری نے اسی خانوادے کے تین مزید وصیت ناموں کے ساتھ اسے مدوّن کیا ہے۔

حضرت والدِ ماجد خوب ست یعنی اگر یکے از مجتہدان بآن عمل کردہ باشد ترجیح حدیث است عمل کند والا ترک دہد چرا کہ خالی از سبب سکوت ہمہ ہا نیست واین چنین شاید چہار حدیث خواہد بود۔

(ص ۹۱)

ایک فتویٰ :

آن حضرت فرمود کہ ابی داؤد حدیث نقل می کنند کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامۂ خون آلود حیضی زنے را برائے صفائی از نمک شستن فرمودہ بود۔ چون نمک ہم چیز محترم است وطعام ہم محترم پس درست شد کہ از آرد وغیرہ اگرچہ آردِ گندم باشد درست باید شست۔ لیکن چیزہائے دیگر سوائے طعام کہ درین مادہ بکار می برند بہتر ست والا آرد ہم جائز باشد (ص ۹۰)

ایک جزیرہ :

شخصے از قبلہ گاہی عرض می کردکہ در جزیرہ رفتہ بودم۔ آن جا سوائے نارجیل

کا مسلک خوب ہے کہ اگر ائمۂ مجتہدین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر عمل کیا ہے تو ترجیح حدیث کو دی جائے گی ورنہ حدیث کے بجائے قولِ مجتہد پر عمل کیا جائے گا اس لئے کہ تمام ائمۂ مجتہدین کا سکوت بے سبب نہیں ہو سکتا اور اس قسم کی احادیث جن پر کسی ایک امام کا بھی عمل نہ ہو، شاید تعداد میں چار ہوں گی۔

(اس سوال پر کہ کھانے کے بعد آٹے سے ہاتھ دھونے کا کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا ابو داؤد نے حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت کو خونِ حیض سے آلودہ کپڑوں کو نمک سے دھو کر صاف کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور چونکہ نمک بھی محترم چیز ہے اور کھانا بھی، اس لئے آٹے وغیرہ سے چاہے وہ گیہوں کا آٹا ہی کیوں نہ ہو ہاتھ دھونا درست ہے۔ لیکن کھانے کی چیزوں کے علاوہ جو اس کام میں لائی بھی جاتی ہیں ہاتھ دھونا بہتر ہے ورنہ آٹا بھی جائز ہے۔

ایک شخص نے حضرت قبلہ گاہی سے عرض کیا کہ میں ایک جزیرے میں گیا تھا وہاں کھوپرے اور مچھلی کے علاوہ کھانے

و ماہی از قسم طعام نمی شود ۔ مگر این کہ
از ملک دیگر برند ۔ چنانچہ آن کس را
ہشتاد و دو طعام از ترکیب ہمیں دو پزیدن
می دانم [1] ۔ (ص ۱۱۸)

چین میں بلی :

در ملک چین گربہ کم تر می شود
و موش با بسیار جری ۔ شخصے از
والدِ ماجد نقل می کرد کہ ہمراہِ من
گربہ بود ۔ تا جائے کہ در چین می روند
رفتم ۔ دیدم کہ گلولہ بازاں در وقت
طعام راجہ برائے دفع موشاں می ایستادند
من گفتم جانورے در ہند بہ پان صد
روپیہ می آید ۔ از آوازش موشاں می
رمند ۔ چنانچہ فروختم ۔ از آوازش

کی اور کوئی چیز دستیاب نہیں ہوتی تھی۔
اِلّا یہ کہ کسی دوسرے مقام سے لے آئیں
چنانچہ اس شخص کو بیاسی کھانے ماہی
دو چیزوں سے پکاتا آتے تھے ۔

چین میں بلی بہت کم ہوتی ہے اور
اور چوہے بڑے دلیر ہوتے ہیں ۔ ایک
شخص نے والدِ ماجد سے بیان کیا کہ
میرے ساتھ (سفر میں) ایک بلی تھی اور
چین میں جہاں تک جا سکتے ہیں میں گیا
میں نے دیکھا کہ (چوہوں کی کثرت کی وجہ
سے) راجہ کے کھانے کے وقت گلولہ باز
چوہوں کو بھگانے کیلئے کھڑے رہتے
ہیں ۔ میں نے کہا ہندوستان میں ایک
جانور پانچ سو روپیہ میں آتا ہے اس کی

---

[1] یہ تینوں واقعات جہاں لازماً لغو و بے اصل نہیں کہے جا سکتے وہاں ان کی صحت کا تیقن بھی مشکل ہے ، ہم صرف اس لئے نقل کر رہے ہیں کہ یہ قصے شاہ ولی اللہ رح کی مجلس میں بیان کیے گئے تھے ۔ ہمارے ان بزرگوں کی مجالس نری خشک اور علمی موضوعات موضوعات کیلئے ہمہ وقت وقف نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان میں مطائبات اور دلچسپ گفتگوؤں کی بھی گنجائش ہوتی تھی ۔ ذرا تصور کیجیے ابلاغ و دعوت کی خاطر ربطِ عوام میں ان بزرگوں کو کس درجہ ریاض کرنا پڑتا ہوگا ۔ شاہ ولی اللہ کے سامنے ایک سیاح اپنی "سفر بیتی" سُنا رہا ہے اور وہ بڑی "سنجیدگی" سے اسے سُن رہے ہیں ۔ !

بالکل موشاں رمیدند۔

(ص ۷۱)

عذابِ قبر۔ قصۂ عجب است۔ پیش حضرت والد بقسم غلیظ می گفت یعنی کشمیری بطرف ملک دکن رفتہ پیش راجہ در فرقۂ باورچیاں نوکر شد۔ بعد مردنش موافق دستور آن جا من جملۂ جماعۂ خدّام خاص این کس را ہم در سرداہہ نہادند۔ چہ می بینم وقت شب دو فرشتۂ مہیب چنانچہ در حدیث آمدہ است آمدند۔ از خوف آن ہا بگوشہ رفتم۔ معلوم نیست مارا کہ چہ سوال وجواب شد۔ آخرش او را می زدند۔ اعضائش ریزہ ریزہ شدند۔ ما ہمہ بے ہوش شدیم وبعضے مردند۔ من کلمہ می خواندم و فرشتہا جانب من دیدند و ما را بعد از گفتن کہ چرا آمدہ بودی۔ در کشمیر رسانیدند۔ پارچہ از اعضائش کہ بر بدن من ریزہ شدہ رسیدہ بود۔ سوزش آن نمی رفت ہر چند معالجہ کردم بہ نمی شد۔ در دہلی آمدم پیش بندگان و اطباء رجوع کردم ہیچ فائدہ

آواز سے چوہے بھاگ جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بلّی وہیں فروخت کردی اور اس کی آواز سے چوہے بھاگ گئے۔

عجیب قصہ ہے۔ ایک شخص کشمیری حضرت قبلہ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر کہتا تھا کہ میں جنوبی ہند میں ایک راجہ کے یہاں باورچیوں کے زمرہ میں ملازم ہوگیا تھا۔ راجہ کے مرنے کے بعد وہاں کے دستور کے مطابق راجہ کی لاش کو اس کے خدام کے ساتھ جن میں میں بھی شامل تھا ایک محفوظ کمرہ میں بند کردیا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ رات کو دو مہیب فرشتے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، آئے۔ میں ان کے خوف سے ایک کونے میں دبک گیا۔ مجھے نہیں معلوم راجہ سے کیا سوال وجواب ہوئے۔ آخر فرشتوں نے اس کو مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ اس کے اعضا ریزہ ریزہ ہوگئے۔ ہم لوگ دہشت سے بے ہوش ہوگئے بلکہ بعض تو مرگئے۔ میں کلمہ پڑھ رہا تھا۔ فرشتوں نے میری طرف دیکھا اور یہ کہہ کر کہ یہاں کیوں آگیا تھا مجھے کشمیر پہنچا دیا۔ فرشتوں کی مار سے راجہ کی لاش کے جو ریزے میرے بدن پر اچھٹ کر لگ گئے تھے ان کی سوزش محسوس

نہ شد۔ مگر عم شما ابو رضا محمد درود فرمودند تا حینیکہ بر دست کف زدہ برآن جا می مالم تسکین می نمایند بحنت تنگ ہستم۔

(ص ۶۸ ، ۶۹)

ہوتی تھی۔ بہت علاج کیے مگر فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ میں نے دہلی آکر اطبا اور بزرگوں سے رجوع کیا مگر سوزش نہیں گئی۔ ہاں تمہارے چچا ابوالرضا محمد [1] نے درود پڑھ کر میرے ہاتھ پر دم کر دیا تھا۔ جب تک ہاتھ متأثر حصے پر پھیرتا رہتا ہوں سکون رہتا ہے بہت تنگ ہوں۔

شاہ صاحب کی ایک رباعی (ص ۱۰۳) :

درصحبت اہل دل رسیدم بسے — پس دریوزہ کنان زما کسے یک نفسے
ازچشمۂ آب زندگانی قدحے — وز آتش وادی مقدس قبسے

مداربخش نامی قوال کی درخواست پر شاہ عبدالعزیزؒ نے والد ماجد کی ایک "غزل" عنایت فرمائی (ص ۱۰) :

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام — عاشقِ شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام
مبتلائے حیرتم جان گویمت یا جان جان — اصطلاح شوق بسیارست و من دیوانہ ام
میل ہر عنصر بود سوئے مقر اصلیش — جذبۂ اصل ست سر شورش مستانہ ام

---

[1] شیخ ابوالرضا محمد بن شیخ وجیہ الدین شاہ ولی اللہ کے چچا اور شاہ عبدالرحیم کے بڑے بھائی اور استاد و مربی تھے۔ شاہ ولی اللہ نے "انفاس العارفین" کا باب دوم (ص ۸۶۔ ۱۵۲) "شوارق المعرفت" کے نام سے آپ کے حالات میں تحریر فرمایا ہے۔ حالات اور تصرفات و کرامات کے ساتھ آپ کے فاضلانہ اور عارفانہ ملفوظات اور دو رسالوں "تفسیر بسم اللہ" اور "اصول الولایۃ" کے اقتباسات بھی دیئے ہیں۔ جن سے علوم دینیہ میں آپ کے فضل و کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ نبیرۂ حضرت مجدد شیخ عبدالاحد گل وحدت سے آپ کے مراسم و وداد و اخلاص تھے۔ شاہ صاحب نے "شوارق" میں

(حاشیہ بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

شوقِ[1] موسیٰ در ظہور آورد نارِ طور را　　　در نہادِ طبع آتش می زند پروانہ ام

اے امین برستیم نام تہمد تہمت ست　　　در ازل پیش از زمان تعمیر شد میخانہ ام

ایک اور غزل:

گر بگلشن بگذری گل بر رخت مفتون شود　　　در نمائی قامت خود سرو را موزون شود

کار با معنی ست ما تا را نہ با نام و نشان　　　جذبۂ لیلیٰ ندارد[2] بید اگر مجنون شود

مرد مفلس را جہان یکسر محل آفت ست　　　شیشہ گر خالی ست گر بادش رسد وا ژون شود

رُباعی:

در صحبت اہل دل رسیدم بسے　　　بس دریوزہ کنان زما کسے یک نفسے

از چشمۂ آب زندگانی قدحے　　　وز آتش وادی مقدس قبسے

(حاشیۂ صفحہ گذشتہ) دونوں بزرگوں کے کئی مکاتیب نقل فرمائے ہیں۔ ان مکاتیب میں تاریخ ادبِ اردو کے طلبا کیلئے دلچسپی کا سامان وہ دوہرے ہیں جو طرفین کے نتائج فکر ہیں۔ ان دوہروں کی اہمیت یہ ہے کہ حضرت عبد الاحد وحدت (ف ۱۱۲۶ھ)، ولی دکنی (یا گجراتی) کے استاد گلشن کے استاد تھے۔ شیخ عبد الاحد پر ایک مفصل مضمون زیرِ قلم ہے۔ اس میں یہ دوہرے نقل کیئے جائیں گے۔

[1] "حیاتِ ولیؒ" (ص ۵۰۶) میں یہ شعر غزل میں نہیں ہے مگر دو مزید شعر ہیں ؎

باحسال ذانکیش حُسن دگر در کار شد　　　چشم اُو را سرمہ سام یا زلف او را شانہ ام

غافل از خود ماند از صورت چو پر شد آئینہ　　　تا ترا بشناختم جانان زخود بیگانہ ام

[2] بیدِ مجنوں پر شاہ عبد العزیزؒ نے بھی (ص ۳۴) طبع آزمائی فرمائی ہے:

زنازک طبع غیر از خود نمائی ہا نمی آید
درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد

مگر "حیاتِ ولیؒ" میں اس شعر کو شاہ ولی اللہ سے منسوب کیا گیا ہے۔ (ص ۵۱۱)

ایک قطعہ: اپنے والد ماجد (شاہ ولی اللہ) کے

"در تشریف بردن والد ماجد خود و بد گفتن صاحبزادہ در حق شیخ آدم بنوری[۱] و ناراضی شان۔ (ص ۱۰۳)" کہیں تشریف لے جانے اور وہاں ایک لڑکے کی شیخ آدم بنوری کی شان میں گستاخی کرنے اور اس سے والد ماجد کی ناخوشی (کا ذکر کرکے ان کا یہ قطعہ پڑھا ہے

شخصے بخوردہ گیری ما ماجبنان فتاد　　زان روکہ در طریقہ مخدوم آدمیم
گفتم کہ حرف راست بگویم زما رنج　　تو آدمی بنوری و ما آدمی شدیم

(اقبال ریویو)

المسوّٰی من احادیث الموطّا

عربی

حضرت شاہ ولی اللہ کی یہ مشہور کتاب آج سے ۴۳ سال پہلے مکہ مکرمہ میں مولانا عُبَیدُ اللہ سندھی مرحوم کے زیر اہتمام چھپی تھی اس میں جا بجا مولانا مرحوم کے تشریحی حواشی ہیں۔ مولانا نے حضرت شاہ صاحب کے حالاتِ زندگی اور ان کی الموطا کی فارسی شرح پر مؤلف امام نے جو مبسوط مقدمہ لکھا تھا۔ اس کتاب کے شروع میں اس کا عربی ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

ولایتی کپڑے کی نفیس جلد۔ کتاب کے دو حصے ہیں۔

قیمت: بیس۲۰ روپے

---

[۱] شیخ آدم بن اسماعیل بنوری، حضرت امام ربانی کے خلفاء میں سے تھے۔ ۱۰۵۳ھ میں وفات پائی۔